جرح وتعدیل

مولانا افتخار احمد بلخی استاد شعبہ معارف اسلامی۔ کراچی یونیورسٹی

"جرح وتعدیل" اصول حدیث کی اصطلاحوں میں ایک اہم اصطلاح ہے اور مشہور محدث حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ) نے تو جرح وتعدیل کو علم حدیث کا پھل اور اس کی بلندترین منزل تک رسائی کے لئے ایک بڑی سیڑھی قرار دیا ہے[1]۔

تعریف راوی کے اوصاف وخصائل کی تحقیق کے بعد اُس کے اُن عیوب کا اظہار جو اُس کی روایت میں حارج ہوں، جرح کہلاتا ہے، اور راوی کے اوصاف وخصائل کی تحقیق کے بعد یہ بتانا کہ راوی ثقہ ہے، تعدیل کہلاتا ہے[2]۔ یہ دونوں (جرح وتعدیل) بقول امام حاکم دراصل دو انواع ہیں، جن میں ہر نوع مستقل ایک علم کی حیثیت رکھتی ہے[3]۔

مختلف آرا کیوں؟ جرح وتعدیل کی مذکورہ تعریف سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ جرح وتعدیل نقد احادیث کے مختلف طریقوں میں سے

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث نوع ۱۸۔

[2] شرح نخبۃ الفکر (علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ)۔

[3] معرفۃ علوم الحدیث نوع ۱۸۔

ایک طریقہ ہے اور اس کا تعلق حدیث کے نفس مضمون سے نہیں بلکہ راویان حدیث کے معتبر یا نامعتبر ہونے کے بیان سے ہے، اور دوسری بات یہ کہ چونکہ علم جرح و تعدیل کا مقصد اور اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ اسناد کے تمام رواۃ میں سے ایک ایک راوی کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھ کر حدیث کی صحت وسقم معلوم کی جائے، اس لئے اس کے لئے راویوں کی اُن صفات وخصوصیات پر وسیع اور گہری نظر ہونی چاہیئے، جن سے اُن کی بیان کردہ روایات متاثر ہوسکتی ہیں اور چونکہ ان صفات وخصوصیات کا یکساں علم سب کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کا بہت کچھ دار ومدار ذرائع معلومات پر اور راویوں کے مالہٗ وماعلیہ سے واقفیت حاصل کرنے میں محنت وکاوش پر ہے، اس لئے راویوں کی ثقاہت اور اُن کے ضعف اور عدم اعتبار کے بیان کرنے میں مختلف ائمۂ فن مختلف نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔

اس کے باوجود بقول علامہ طاہر الجزائری (متوفی ۱۳۳۸ھ) تنقید روایات کے ائمہ میں سے طبقۂ واحد کے دو ناقدین کبھی کسی ضعیف راوی کی توثیق پر متفق نہیں ہوئے اور نہ کسی ثقہ راوی کی تضعیف پر متفق ہوئے[1]، یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ طبقۂ واحد کے دو ناقدینِ روایات نے متفقہ طور پر کسی ضعیف راوی کو ثقہ قرار دے دیا ہو یا کسی ثقہ راوی کو ضعیف ٹھہرایا ہو۔

اس صورت حال کی بنا پر بآسانی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ ائمۂ فن کے نزدیک جرح وتعدیل کے باب میں جو فرق مراتب ہے وہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، ایک قدرتی نتیجہ ہے ذرائع معلومات کی کمی بیشی اور رواۃ کی حالتوں کے ایک ایک جزئیہ کی چھان بین میں محنت وکاوش کے درمیان فرق کا۔

راویوں کے انواعِ درجات

دوسری بات قابل ذکر یہ ہے کہ احادیث کی صحت وسقم کے باب میں چونکہ راویوں کی

---

[1] توجیہ النظر الی اصول الاثر ص ۱۱۶ (یہ قول دراصل علامہ ذہبی کا ہے، چنانچہ جرح وتعدیل پر گفتگو کرتے ہوئے اس کا حوالہ علامہ ابن حجر نے اپنی شرح نخبۃ الفکر میں دیا ہے)۔

عدالت[1] اور ضبط[2] دونوں کا لحاظ ہوتا ہے، اس لئے ان دونوں (عدالت وضبط) کے درجات کے تفاوت کے لحاظ سے رواۃ کے انواعِ درجات نو تک پہنچتے ہیں[3]۔

۱۔ عدالت اور ضبط دونوں میں اعلیٰ درجہ

۲۔ عدالت میں اعلیٰ درجہ اور ضبط میں متوسط درجہ

۳۔ عدالت میں اعلیٰ درجہ اور ضبط میں ادنیٰ درجہ

۴۔ ضبط میں اعلیٰ درجہ اور عدالت میں متوسط درجہ

۵۔ عدالت اور ضبط دونوں میں متوسط درجہ

۶۔ عدالت میں متوسط درجہ اور ضبط میں ادنیٰ درجہ

۷۔ عدالت میں ادنیٰ درجہ اور ضبط میں اعلیٰ درجہ

۸۔ عدالت میں ادنیٰ درجہ اور ضبط میں متوسط درجہ

۹۔ عدالت اور ضبط دونوں میں ادنیٰ درجہ

اسی لحاظ سے جرح و تعدیل کے بھی متعدد اور متفاوت درجات پیدا ہوتے ہیں یعنی عدالت اور ضبط دونوں پر جرح یا صرف عدالت پر جرح یا صرف ضبط پر جرح، پھر ہر ایک سے متعلق شدت اور نرمی کے لحاظ سے جرح کے مدارج و مراتب ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس تعدیل کے باب میں۔

---

[1] عدالت۔ یعنی مسلمان ہونا۔ عاقل و بالغ ہونا۔ اور ایسے ملکہ کا حامل ہونا جو تقویٰ اور مروت کا سبب بنا رہے۔ تقویٰ سے مراد شرک جلی وخفی اور فسق و بدعات سے پاک صاف ہونا ہے، اور مروت کا مطلب ہے تعصب کا نہ ہونا، ضد کا نہ ہونا اور وقار کا مالک ہونا۔ (شرح نخبۃ الفکر)

[2] ضبط یعنی قوت یادداشت۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ضبط صدر، یعنی سُنی ہوئی روایات کو اس طرح یاد رکھنا کہ بوقت ضرورت بلا تکلف اور بلا دقت ٹھیک ٹھیک دُہرا سکے۔ (۲) ضبط کتاب، یعنی مسموعات کو لکھ بھی لینا اور ابتدائے سماعِ حدیث سے انتہائے ادا تک ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بچائے رکھنا۔ (شرح نخبۃ الفکر)۔ [3] توجیہ النظر و معیار الاعتدال۔

تفہیم مدارج کے لئے الفاظ

اس بناپر تعدیل کے مراتب و مدارج کو ظاہر کرنے کے لئے ائمۂ فن نے متعدد اور مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً تعدیل کے لئے اوثق الناس ۔ ثقۃٌ ثقۃٌ ۔ ثقۃٌ حافظٌ ۔ حجۃٌ حجۃٌ ۔ حافظٌ عالمٌ ۔ ثقۃٌ ۔ متقنٌ ۔ صدوقٌ ۔ مامونٌ ۔ لاباس بہ وغیرہ کہ ان الفاظ اور فقروں سے تعدیل کے درجات کا تفاوت بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ مثلاً کسی راوی کے بارے میں اوثق الناس کا فقرہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عدالت اور ضبط دونوں میں اعلیٰ درجہ کا مالک ہے اور ثقۃٌ ثقۃٌ کے الفاظ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا مرتبہ درجۂ اول کے راوی سے کم ہے، وعلیٰ ھٰذا القیاس ۔

اسی طرح جرح کے اظہار کے لئے متعدد اور مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اکذب الناس ۔ کذاب ۔ فیہ ضعیفٌ ۔ فیہ لین ۔ فیہ جھالۃٌ ۔ لیس بمامونٍ ۔ لیس بشیءٍ ۔ لایکتب حدیثہٗ وغیرہ کہ ان الفاظ اور فقروں سے جرح کے درجات کا تفاوت بآسانی سامنے آجاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں اکذب الناس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دروغ گوئی گویا اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، اور کسی کے بارے میں فیہ ضعف کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عدالت اور ضبط دونوں میں مذکورہ ادنیٰ مرتبہ سے بھی گرا ہوا ہے ۔

اس سلسلہ میں یہ ایک اہم بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ائمۂ فن نے کہا ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جرح کی وجوہ معلوم اور مستند ہوں، ورنہ اگر جرح کے اسباب و وجوہ معلوم نہ ہوں یا مستند نہ ہوں تو تعدیل مقدم ہے ناجائز اور مبہم جرح مقبول نہیں، نیز صرف ایک محدث کی جرح یا صرف ایک کی تعدیل کافی نہیں[1] ۔

ضبط و حفظ پر جرح کے اسباب و وجوہ

راویوں کے ضبط و حفظ پر جرح کے مندرجۂ ذیل اسباب و وجوہ ہیں :-

---

[1] شرح نخبۃ الفکر ص ۶۴ ۔

۱۔ **فحش غلطی**۔ یعنی راوی اپنے ضبط وحفظ میں کمی کے سبب روایت میں فحش اور بکثرت غلطی کرے، ایسے راوی کی روایت کو مُنکَر کہتے ہیں[۱]۔

۲۔ **غفلت**۔ یعنی راوی کے ضبط وحفظ میں کمی اُس کی غفلت و بے توجہی کا نتیجہ ہو۔ ایسے راوی کی روایت کو بھی منکر کہتے ہیں[۲]۔

۳۔ **وہم**۔ یعنی راوی میں وہم پایا جاتا ہے اور اس کے وہمی ہونے کی بنا پر اس کے ضبط و حفظ میں کمی آگئی، ایسے راوی کی روایت معلّل کہلاتی ہے[۳]۔

۴۔ **سُوءِ حفظ**۔ یعنی راوی نسیان اور حافظہ کی خرابی کا شکار ہوگیا۔ اگر سُوءِ حفظ لازم ہے، یعنی مستقل طور پر حافظہ نے جواب دے دیا ہے تو ایسے راوی کی روایت شاذ کہلاتی ہے اور اگر سوءِ حفظ اُسے لازم نہیں ہے بلکہ کبھی کبھار ہوتا ہے تو اس کی روایت مختلط کہلاتی ہے[۴]۔

۵۔ **مخالفت ثقات**۔ راوی کا کسی روایت میں ایسی بات کرنا جو دوسرے ثقات کی بیان کردہ اُس روایت کے خلاف ہو، اس کی متعدد صورتیں ہیں:۔

- مدرج الاسناد۔ سلسلۂ سند میں کچھ بڑھا دیا گیا[۵]۔
- مدرج المتن۔ متن حدیث میں کوئی زیادتی کر دی گئی[۶]
- مقلوب۔ متن حدیث کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔ مثلاً روایت میں جس جگہ جھر ہے وہاں خفی کہہ دیا گیا اور جہاں خفی ہے وہاں جھر کہہ دیا گیا، یا سند کے اسماء میں تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔ مثلاً مرۃ بن کعب کو کعب بن مرۃ کہہ دینا[۷]۔
- مضطرب۔ کسی مقام پر تبدیلی ہے، لیکن کوئی مُرجّح نہیں[۸]۔
- مصحف۔ متن یا سند کے کسی کلمہ کے نقطہ میں تغیر کر دیا جائے اور صورۃ الخط باقی رہے۔ مثلاً ابن مزاحم کو بعض نے ابن مزاحم

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ شرح نخبۃ الفکر ص ۳۳ — ۴۱۔

کہہ دیا ہے[1]۔

۔۔۔۔ تحریف۔ متن یا سند کے کسی کلمہ کا اعراب بدل دیا جائے اور رسم الخط باقی رہے[2]۔ مثلاً عُقیل کا تلفظ عَقیل سے کرنا۔

واضح رہے کہ کسی راوی کو اس کے ضبط وحفظ کی بنا پر مجروح قرار دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس میں یہ سارے اسباب و وجوہ پائے جائیں، بلکہ ان میں سے کسی ایک کا بھی پایا جانا اُس کے مجروح ہونے کے لئے کافی ہے۔

عدالت پر جرح کے اسباب و وجوہ

رہے عدالت پر جرح کے اسباب و وجوہ، تو وہ بھی ائمۂ فن نے پانچ بیان کئے ہیں:۔

۱۔ **کذب**۔ یعنی راوی اپنی بیان کردہ روایت میں کذب کا مرتکب ہوا۔ ایسے راوی کی روایت موضوع کہلاتی ہے[3]۔

۲۔ **اتّہام کذب**۔ یعنی راوی کا اس روایت میں تو کذب ثابت نہ ہوا جو اس نے بیان کی ہے، مگر دوسرے معاملات میں اُس پر دروغ گوئی کا الزام واتّہام ہے، ایسے راوی کی روایت متروک کہلاتی ہے[4]۔

۳۔ **فسق**۔ یعنی راوی گناہِ کبیرہ کا مرتکب پایا گیا یا گناہِ صغیرہ کا باربار ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ ایسے راوی کی روایت کے لئے بھی منکر کا لفظ استعمال کرتے ہیں[5]۔

۴۔ **جہالت**۔ یعنی راوی کا اپنے نام یا حالات کے لحاظ سے نامعلوم ہونا۔ ایسے راوی کی روایت مبہم کہلاتی ہے[6]۔

۵۔ **بدعت**۔ یعنی کسی ایسے عقیدے کا اختیار کرنا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو یا کسی ایسے عمل کو عبادت قرار دے دینا جس کی کوئی اصل کتاب وسنت میں نہ ہو۔ ایسے راوی کی روایت مُبتَدَع کہلاتی ہے۔

---

[1]، [2] توجیہ النظر ص ۲۶۱۔

[3]، [4]، [5]، [6] شرح نخبۃ الفکر وتوجیہ النظر۔

بدعت کی دو شاخیں ہیں :- (۱) کافرانہ بدعت ۔ یعنی اختیار کیا ہوا وہ عقیدہ یا بطور عبادت کیا جانے والا وہ فعل و عمل جو نصوص قطعیہ کے صریحاً خلاف ہو ۔
(۲) فاسقانہ بدعت ۔ جو نصوص قطعیہ کے صریحاً خلاف نہ ہو ۔[1]

یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ عدالت کے لحاظ سے کسی راوی کے مجروح ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں یہ سارے اسباب و وجوہ پائے جائیں بلکہ ان میں سے کسی ایک کا بھی پایا جانا اس کے مجروح ہونے کے لئے کافی ہے ۔

ماحصل اب ہمارے لئے یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ محدثین جو کسی روایت کے متعلق صحیح، حسن ، شاذ، معلل یا متروک وغیرہ کہتے ہیں ، تو اس سے ان کا کیا مطلب ہوتا ہے ؟ مطلب یہ ہوتا ہے کہ راویوں کی عدالت اور ان کے ضبط کے پیش نظر روایت کا یہ مرتبہ متعین کیا گیا ہے ۔ مثلاً وہ جب کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام رواۃ اپنی عدالت اور اپنے ضبط کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے مالک ہیں (اور سند متصل ہے) یا مثلاً وہ جب یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت متروک ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے کسی راوی پر کذب کا الزام و اتہام ہے ۔ وعلیٰ ہذا القیاس اور راویوں کے متعلق اس قسم کی تمام باتیں اُس ریکارڈ میں محفوظ ہیں ۔ جس کو "اسماء الرجال" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ، اور جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے ۔

ضرورت و اہمیت رہی یہ بات کہ اس جرح و تعدیل کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ وہ کون سے اسباب تھے جن کی بنا پر محدثین کرام کو راویوں کے حالات کی چھان بین کے لئے کمربستہ ہونا پڑا اور اس انتہائی مشکل کام کے لئے سینکڑوں محدثین نے اپنی عمریں صرف کردیں ۔ ایک ایک شہر گئے ، راویوں سے ملے ، اُن کے پڑوسیوں سے ملاقاتیں کیں ، اُن کے حلقۂ تعارف سے رابطہ پیدا کیا اور جو رواۃ زندہ نہ تھے ، اُن کے دیکھنے والوں اور اُن کے حالات و خصائل سے واقفیت رکھنے والوں سے معلومات

---

[1] شرح نخبۃ الفکر و توجیہ النظر ۔

حاصل کیں اور اس طرح راویان حدیث کی نجی زندگی، ان کے مجلسی طور طریقوں اور ان کی معاشرتی سرگرمیوں کی بابت مکمل معلومات بہم پہنچائیں حالانکہ یہ کوئی خوشگوار کام نہیں ہوتا کہ لوگوں کے اخلاق و کردار کے ایک ایک جزئیہ اور اُن کے ظاہر و باطن سب کو کریدا جائے۔ نہ صرف یہ کہ یہ کوئی خوشگوار کام نہیں ہے بلکہ بظاہر اُس ممانعت کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے جو تجسس اور تدابر کی بابت دی گئی ہے[1]۔

تو بات یہ ہے کہ وضعِ احادیث کے فتنے کے بعد دو ہی راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وضاعین کی نامراد کوششوں کے سامنے سپر ڈال دی جاتی اور یہ اعلان کر دیا جاتا کہ چونکہ جواہر کے ڈھیر میں بہت سے سنگریزے مل گئے ہیں اس لئے یہ تمام سرمایہ کسی قدر و قیمت کا مستحق اور کسی شمار کے قابل نہیں اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابلِ اعتبار و استناد ہے اور امتِ مسلمہ کو چاہئے کہ وہ احادیث و سنن سے بالکلیہ قطع تعلق کرلے بلکہ سب کو دریا بُرد کر دے۔

ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ایک نامعقول بات بھی ہوتی اور دین کو سخت نقصان پہنچانے والی بلکہ اس کے انہدام کی موجب بھی ہوتی۔ نامعقول بات تو اس لئے ہوتی کہ عقل و ہوش رکھنے والا کوئی شخص ہیروں کی اس پوری مقدار کو اٹھا کر پھینک دینے کی احمقانہ حرکت کبھی نہیں کرے گا جس میں کچھ مصنوعی اور نقلی ہیرے مل گئے ہوں، بلکہ اس کی روش یہ ہوگی کہ اگر وہ خود ہیروں کی پرکھ رکھتا ہے تو ان نقلی ہیروں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کر دے گا جو اصلی ہیروں میں مل گئے ہیں، اور اگر وہ خود پرکھ نہیں رکھتا تو معتمد صرافوں سے اس کے لئے مدد لے گا۔ اور دین کے لئے سخت نقصان دہ اس لئے ہوتا کہ حدیث و سنت دین کا ایک سرچشمہ ہے، ایک دینی سند و حجت ہے۔ اتباعِ رسولؐ، اطاعتِ رسولؐ اور اُسوۂ رسولؐ کی پیروی سے بے نیاز

---

[1] لَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا ..... وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا (صحیحین) یعنی کسی کی مخفی حالت کی کرید نہ کرو اور نہ عیب جوئی کرو ..... اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرو اور اے اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن کر رہو۔ اور ترمذی میں یہ روایت ہے کہ "مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچاؤ اور نہ اُن کو کسی عیب و معصیت کا ہدف بنا کر ذلیل و شرمندہ کرو اور نہ اُن کی عیب جوئی کے درپے ہو۔

ہو کر محض عقل کے بل بوتے پر نہ قرآن پر عمل ممکن ہے اور نہ ایسا عمل اسلام کو مطلوب اور عند اللہ معتبر ہے۔

اس لئے ضروری تھا کہ جعلی احادیث و روایات کی مکھیوں کو صحیح احادیث کے دودھ سے نکال کر پھینک دیا جائے اور یہی وہ دوسری راہ تھی جو وضعِ احادیث کے فتنے کے بعد اس کے انسداد کے لئے اختیار کی گئی۔

رہی تجسس اور تدابُر والی بات، تو معاملہ چونکہ دین کا تھا، رسولؐ اور رسولؐ کے ارشادات اور رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کا تھا اور امّت کی اصلاح اور ملّت کی بقا کا تھا، اس لئے اس داعیہ، اس مقصد اور اس نقطۂ نظر سے خلوص نیت کے ساتھ، دین کی خیر خواہی اور حفاظت کی غرض سے یہ کام کرنا اس ممانعت کی زد میں نہیں آتا، جو تجسس اور تدابُر کی بابت دی گئی ہے[1]۔ لذتِ نفس کی خاطر جو عیب چینی کی جائے، یا معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے یا کسی کی ذاتی تذلیل و رسوائی کی نیت سے جو تجسس اور تدابُر ہو وہ ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔ چنانچہ محدثین کرام اور ائمۂ رجال نے یہی جواب دیا تھا، جب ان کے سامنے تجسس اور تدابُر کی ممانعت کے قبیل کی باتیں کی گئیں۔ مثلاً

• ـــــ ابوبکر بن خلاد نے ایک مرتبہ یحییٰ بن سعید القطان سے کہا کہ :۔

---

[1] نہ صرف یہ کہ اس ممانعت کی زد میں نہیں آتا بلکہ قرآن و حدیث کی رو سے دین اور اس کے نظام کو فساد اور بگاڑ سے محفوظ رکھنے کے لئے اہل علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ کام کریں مثلاً ارشادِ الٰہی ہے کہ اِذَا جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔ یعنی جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ اور ارشاد رسولؐ ہے کہ "فاجر کا خطرہ کب تک مول لیتے رہو گے، اس کو بے پردہ کر دو، تاکہ لوگ اس سے چوکنے ہو جائیں اور اس سے بچیں"۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "عبداللہ ایک صالح شخص ہیں" بنیادی طور پر تعدیل ہی تو ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک شخص کے متعلق یہ فرمانا کہ "اپنے قبیلے کا بُرا انسان ہے" بنیادی طور پر جرح ہے۔ نیز خلفائے راشدین اور دوسرے بہت سے صحابہ نے روایت اور شہادت کے باب میں جرح و تعدیل کی ہے۔

"کیا آپ کو اس بات کا خطرہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کی روایات آپ نے ترک کر دی ہیں، وہ کل قیامت کے دن عدالتِ الٰہی میں آپ کے مدعی بنیں؟"

یحییٰ بن سعید القطان نے جواب دیا کہ:۔

"اُن کا مدعی ہونا اور مجھے اُن کا مدّعا علیہ بننا منظور ہے اور پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدّعا علیہ بنوں اور وہ میرا گریبان پکڑیں اور فرمائیں کہ میری حدیث سے کذب کو دور کیوں نہیں کیا؟[1]"

• — ابوتراب نخشبی نے امام احمد بن حنبل سے ایک مرتبہ کہا کہ:۔

"علماء کی غیبت اور عیب جوئی نہ کیا کیجئے"

انہوں نے جواب دیا کہ:۔

"ویحك، هٰذا نصيحةٌ، لَيْسَ هٰذا غيبةً[2]"

(افسوس ہے تم پر، اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ نصیحت ہے، دین کی خیرخواہی ہے، یہ غیبت نہیں ہے)۔

• — عبداللہ بن مبارک سے ایک صوفی منش بزرگ نے ایک مرتبہ کہا کہ:۔

"غیبت اور عیب جوئی کرتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا کہ:۔

"آپ تو چپ ہی رہیئے، جب کہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اگر کوائف کی تحقیق نہ کی جائے تو حق و باطل کے درمیان تمیز کیسے ہوگی اور ہم حق کو باطل سے کس طرح پہچان سکیں گے[3]؟"

سارے رخنے بند کئے گئے | یہ بات پہلے اشارتاً بیان کی گئی ہے کہ جرح و تعدیل وضع احادیث کی انسدادی تدبیروں میں ایک نہایت اہم

---

[1]، [2]، [3] الثقافۃ الاسلامیۃ ص ۲۲۰ — ۲۲۱۔

اور عظیم تدبیر تھی، جو محدثین نے اختیار کی۔ لہٰذا مناسب ہے کہ وضع احادیث اور اس کی انسدادی تدابیر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے، تاکہ جرح و تعدیل سے متعلق جو بات کہی گئی ہے، اس کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

جہاں تک وضعِ احادیث کا تعلق ہے تو اس کا سراغ پانے کے لئے اس بدترین تحریک کی طرف اشارہ کافی ہے، جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری چند برسوں میں فتنہ پرداز عناصر نے چلائی تھی اور جس کے نتیجے میں خلیفۂ راشد کی شہادت کے سانحہ سے امتِ مسلمہ دوچار ہوئی۔ اس تحریک کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا۔ یہی ابن سبا وہ شخص ہے جس نے جعلی احادیث گھڑنے کی ابتدا کی، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی امام شعبی (متوفی ۱۰۳ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

اوّل من کذب عبداللہ بن سبا[1]۔ سب سے پہلے جس نے جھوٹی حدیث گھڑی وہ عبداللہ بن سبا تھا۔

غرض خلافتِ راشدہ کے آخری دور ہی میں سبائیوں اور منافقوں نے مسلمانوں میں اختلاط و ارتباط پیدا کرکے اپنی مقصد براری کے لئے احادیث گھڑ کر پھیلانی شروع کر دی تھیں[2]۔ لیکن اس وقت بہرحال صحابہ تھے، جن کا کسی فتنہ پرداز کے قول کو صرف کذب کہہ دینا ہی اُس کے ابطال کے لئے کافی تھا، پھر بھی انہوں نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور امت مسلمہ کو یہ رہنمائی دی کہ کسی روایت کو قبول کرنے کے لئے راوی سے شہادت طلب کی جانی چاہیئے، جس کی داغ بیل حضرت عمرؓ ڈال گئے تھے، اور دوسرا معیار یہ دیا کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح سے جو احادیث مطابق ہوں، صرف انہی کو قبول کرنا چاہیئے، اور قرآن جس نور و بصیرت اور حکمت و دانش کو آدمی میں پیدا کرتا ہے، اُس کے مخالف جو چیزیں ہیں، اُن کو ترک کر دینا چاہیئے؛ چنانچہ اس کی جانب حضرت علیؓ نے

---

[1] لسان المیزان ج ۳ ص ۲۸۹ -

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تدوین حدیث" (مولانا مناظر احسن گیلانی)۔

اس طرح رہنمائی فرمائی کہ :۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون[1] ۔

لوگوں سے وہی حدیث بیان کرو جو ایسے امور کے موافق ہو، جن کو لوگ جانتے پہچانتے ہیں اور جو باتیں ان کے لئے نامانوس ہوں، ان کو چھوڑ دو۔

اور اس کی تشریح میں صاحب فتح الملہم یہ لکھتے ہیں کہ :۔

"یعنی مانوس، جانی پہچانی روایتوں کے جو موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامات پائی جائیں[2]۔"

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشہور شاگرد علقمہ نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ :۔

"حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن کی روشنی کی مانند پہچان لی جاتی ہے اور بعض ایسی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہے جس سے تم مانوس نہ ہوگے[3]۔"

اور ربیع بن خیثم اس طرح سمجھاتے ہیں کہ :۔

"بعض حدیثیں ایسی ہوتی ہیں جن کی روشنی دن کی روشنی جیسی ہوتی ہے جس سے ہم ان (کی صحت) کو جان جاتے ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہوتی ہے جس سے ہم ان (کے سقم) کو پہچان لیتے ہیں[4]۔"

معروف و مانوس اور منکر و غیر مانوس باتوں میں تمیز کرنے کا یہ فکری و عقلی معیار وہ بنیاد ہے جس پر آگے چل کر محدثین کرام نے ایک مستقل علم "علم الدرایۃ" کی عمارت کھڑی کی، یعنی عہد صحابہ کے بعد جب اسلام دشمن عناصر کی سرگرمیاں بڑھنے لگیں اور جعلی احادیث کی اشاعت کے باب میں ان عناصر کی ناپاک کوششیں تیز ہوگئیں تو ان کی کارستانیوں کے استیصال

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲ بحوالہ تدوین حدیث ۔ [2] ملاحظہ ہو تدوین حدیث ۔
[3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۹ بحوالہ تدوین حدیث ۔ [4] معرفۃ علوم الحدیث نوع ۱۹ ۔

و انسداد کے لئے نقد احادیث کا باضابطہ اہتمام کرنا پڑا اور اس کے لئے حضرت علیؓ وغیرہ صحابۂ کرام کی دی ہوئی روشنی، یعنی متذکرہ بالا معیار کی رہنمائی[1] میں درایت اور اس کے اصول کی باضابطہ تدوین عمل میں آئی۔

یہ درایت گویا وہ اندرونی شہادت ہے جس سے حدیث کے نفس مضمون پر بحث ہوتی ہے اور حدیث کے نفس مضمون کی تنقید و تنقیح کے لئے محدثین کرام نے درایت کے اصول وضوابط مقرر اور مدوّن کئے۔

یہ اصول وضوابط خطیب بغدادی، ابن الجوزی، حافظ ابواسحاق، سخاوی اور ابن حجر عسقلانی اور دوسرے ائمۂ فن نے اپنے اپنے طور پر بیان کئے ہیں، اور ان سبھوں کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے اپنی کتاب "عجالۂ نافعہ" میں جمع کر دیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ روایت ناقابل اعتبار ہے:

- جو نص قرآنی یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے اس طرح مخالف ہو کہ کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔
- جو شرعی اصول و قواعد یا عقل، یا حس و مشاہدہ یا مشہور تاریخی واقعہ کے خلاف ہو۔
- جس کو تنہا ایک ہی شخص ایسے لوگوں سے روایت کر رہا ہو کہ ان کے دوسرے شاگرد

---

[1] بلکہ بنظر غائر دیکھا جائے تو بقول مولانا شبلی نعمانی معلوم ہوگا کہ دراصل قرآن نے اس معیار کی رہنمائی کی ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت عائشہؓ پر جب بعض منافقین نے تہمت لگائی تھی تو قرآن نے حضرت عائشہؓ کی برأت وطہارت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی جب تم نے سنا تو کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا روا نہیں، سبحان اللہ، یہ بہتان عظیم ہے — عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تصدیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے کہنے والوں (راویوں) کے نام دریافت کئے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ ہیں یا نہیں، پھر ان کی شہادت لی جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ سنتے کے ساتھ ہی تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان عظیم ہے کیونکہ یہ ایسی منکر اور نامعقول بات تھی جو واضح طور پر درایۃً اعتبار کئے جانے کے قابل نہیں تھی (سیرۃ النبی ج اول)۔

اس روایت کو بیان نہیں کرتے۔

- روایت ایسی ہو جس کا جاننا اور جس پر عمل کرنا ہر مکلف پر فرض ہے مگر اسے تنہا ایک ہی شخص بیان کر رہا ہے۔
- روایت اپنے الفاظ کے لحاظ سے قواعد عربیہ پر پوری نہ اترتی ہو یا اپنے معنیٰ و مفہوم کے لحاظ سے نبوت کی شان اور وقار کے خلاف ہو۔
- روایت میں کسی کو کسی کام کے کرنے میں انبیاء کی طرح مستحق ثواب گردانا گیا ہو۔
- روایت معمولی باتوں پر بڑے بڑے انعامات کے وعدے یا ادنیٰ سی بات پر سخت ترین عذاب کی دھمکی پر مشتمل ہو۔
- روایت اہل بدعت کے کسی عقیدہ و مذہب یا عمل کی ترجمان یا اس کو تقویت پہنچانے والی ہو (بدعت کا اصطلاحی مفہوم پہلے گزر چکا ہے)۔

لیکن ان اصول و قواعد میں بعض قدرتی خامیاں تھیں[1]، مثلاً:-

۱- درایت کے معیار سے کام لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ درایت کے اصول و ضوابط کی رو سے روایت غلط نہیں ہے، یعنی نفس مضمون پر کوئی جرح وارد نہیں ہوتی، لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اندرونی شہادت یا قرائن کی شہادت پر کوئی جرح وارد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو کیونکہ نہ ہر جھوٹی بات نامعقول ہوتی ہے اور نہ ہر معقول بات کا ارشاد رسولؐ ہونا ضروری ہے۔ ایک ایسی گھڑی ہوئی بات ہو سکتی ہے، جو ہر لحاظ سے معقول ہو، قرآن کے خلاف بھی نہ ہو، حس و مشاہدہ یا مشہور تاریخی واقعات کے بھی مخالف نہ ہو، اور اس پر ان اصول و ضوابط کے کسی پہلو سے زد نہ پڑ رہی ہو اور کوئی فتنہ پرور اُسے رسولؐ کی طرف منسوب کر دے۔ اسی طرح ایک ایسی صحیح بات بھی ہو سکتی ہے، جو بجائے خود تو گھڑی ہوئی اور جھوٹی نہ ہو اور انتہائی معقول بھی ہو، لیکن وہ حدیث رسولؐ نہ ہو بلکہ مثلاً کسی کا کوئی حکیمانہ قول ہو، مگر اُسے رسولؐ کی طرف منسوب

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تدوین حدیث اور معرفۃ علوم الحدیث نوع ۱۹۔

کرکے بیان کیا جائے۔ اب اگر صرف اندرونی شہادت اور درایت کے اصول وضوابط پر پورا اترنا ہی کسی روایت کو حدیث رسولؐ قرار دینے کے لئے کافی ہو تو مذکورہ دونوں طرح کی باتیں حدیث رسولؐ قرار پا جائیں گی، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوگی۔

۲۔ درایت کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہی روایات کے مضامین کی صحت وسقم کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، جن کا تعلق عالم حوادث وواقعات کے ساتھ ہو لیکن دینی امور میں بہت سے ایسے مراحل بھی آتے ہیں، جہاں بات غیب میں چلی جاتی ہے، تو پھر درایت کے معیار پر پرکھ کر غیب میں شریک ہو جانے والے مضامینِ روایات کی جانچ کی شکل کیا ہو سکتی ہے[1]۔

۳۔ اس معیار کا استعمال کوئی آسان کام بھی نہیں، کیونکہ اس معیار کی نوعیت یہی تو ہے کہ چند کلی اصول وضوابط بنا دیئے گئے ہیں، جن کی روشنی میں حدیث کے مضمون کی صحت وسقم کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے، لیکن:۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یعنی اس کے استعمال کا صحیح سلیقہ انتہائی دشوار ہے۔ اس کے لئے بے انتہا مشق و مزاولت اور تجربہ ومشاہدہ کی ضرورت ہے، جس طرح طب، کہ اس کے ذریعہ سے انسان تشخیصِ امراض کے کلی علامات وآثار اور اسباب وعلل سے واقف تو ہو جاتا ہے، مگر محض طب جان لینے سے آدمی حاذق طبیب نہیں بن جاتا بلکہ تشخیصِ امراض میں درک ومہارت کے لئے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

اس طرح درایت کے معیار پر عمل کرنے سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونا دشوار بھی تھا اور یہ معیار اپنی بعض قدرتی خامیوں اور خلا کی وجہ سے احادیث کی تنقید وتنقیح کے لئے کافی بھی نہ تھا، اس لئے ناگزیر تھا کہ محدثینِ کرام جعلی روایات کے سارے چور دروازوں کو بند کرتے۔

---

[1] چنانچہ بعض اسلام دشمن واضعینِ حدیث نے اپنی اختراعی بات کو حدیثِ رسولؐ بنا کر ان دونوں چور دروازوں سے لڑھکانے کی کوشش بھی کی تھی۔

اس بنا پر روایت کے لئے سندِ حدیث کا بیان کرنا ایک لازمی اور اہم شرط قرار دی گئی اور یہ التزام کیا گیا کہ بیان کی جانے والی ہر روایت یا اخذ کی جانے والی ہر روایت سند کے ساتھ بیان اور اخذ کی جائے۔

پھر سند کے ساتھ حدیث روایت کئے جانے کی اس پابندی کا یہ مطالبہ اور تقاضا تھا کہ رواۃ حدیث کے حالات و سوانح کی چھان بین کی جائے، ورنہ پھر سندِ حدیث کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا اور خانہ پُری کے لئے زید، عمرو، بکر کا ایک سلسلہ بنا کر دکھایا جا سکتا تھا، اور بعض عیاروں نے ایسا کرنا بھی چاہا تھا، لیکن ان کی چل نہ سکی۔

لہٰذا راویوں کے اخلاق و کردار کے ایک ایک گوشے کی انتہائی احتیاط اور دیدہ وری کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی گئی، اور سینکڑوں محدثین نے اپنی عمریں اس کٹھن کام کے لئے وقف کر دیں اور جانکاہ مشقتیں اٹھا کر ایک ایک گاؤں، ایک ایک شہر، ایک ایک قریہ گئے، دانہ دانہ جمع کیا یہاں تک کہ اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن مدوّن ہو گیا، جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، چنانچہ اس حیرت انگیز کارنامہ کو دیکھ کر آج اغیار تک یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ:۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کے پورے پورے حالات معلوم ہو سکتے ہیں"

(ڈاکٹر اسپرنگر۔ جرمن مستشرق)

یہی "اسماء الرجال" وہ ریکارڈ ہے جس میں راویوں کی وہ ساری صفات و خصوصیات کافی تحقیق و تنقیح کے بعد درج اور محفوظ کر دی گئی ہیں، جن سے اُن کی بیان کردہ روایتیں متاثر ہو سکتی ہیں۔ اسی ریکارڈ کی بنا پر راوی کے معتبر یا نامعتبر، ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس فیصلے کے بعد روایت کی جو نوعیت متعین ہوتی ہے اور جس درجہ میں شریک ہونے کا وہ حق حاصل کرتی ہے، اسی درجہ میں وہ روایت جگہ پاتی ہے۔

اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ سند اور کیفیتِ رواۃ کے لحاظ سے محدثین نے احادیث کے

مختلف درجات قائم کئے ہیں، کسی کو متصل کہا جاتا ہے، کسی کو مرسل اور منقطع کسی کے لئے صحیح کی اصطلاح ہے، کسی کو حسن کہتے ہیں، اور کوئی ضعیف کے شمار میں آتی ہے، پھر کوئی صحیح لذاتہ ہے، کوئی صحیح لغیرہ، کوئی حسن لذاتہ ہے اور کوئی حسن لغیرہ۔ اسی طرح ضعیف کی مختلف شاخیں پھوٹتی ہیں، کسی کا نام معلل ہے، کسی کو شاذ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اور کوئی منکر کہلاتی ہے۔

تالیفات

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ صحابہ کی بابت قرآن شہادت دیتا ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ (تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں لائی گئی ہے) اور "خیرِ امت" بھی کیسے؟

..... وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط (الحجرات)

..... لیکن اللہ نے تمہارے (صحابہ) لئے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے، اور اس (ایمان) سے تمہارے دلوں کو مزین کر دیا ہے اور کفر و فسق اور معصیت سے تمہیں متنفر کر دیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ قرآن نے صحابۂ کرام کو یہ دستاویزِ صدق و صفا بھی عطا فرمایا ہے کہ رضی اللہُ عنھم ورضوا عنہ۔ اس لئے صحابۂ کرام کے بارے میں امتِ مسلمہ کا بالاتفاق یہ فیصلہ ہے کہ الصحابۃ کلّھم عدول صدوق (سارے صحابہ عدالت اور صداقت کا منصب رکھتے ہیں) اس بنا پر ظاہر ہے کہ اس علم (جرح و تعدیل) کے حیطۂ عمل میں وہ (صحابہ) آتے ہی نہیں، لہٰذا لامحالہ اس علم کی کارفرمائی کا آغاز دورِ تابعین سے ہونا چاہئے تھا اور یہی ہوا۔ لیکن واضح رہے کہ جرح و تعدیل سے صحابہ کا بالاتر ہونا ایک الگ بات ہے، لیکن بجائے خود اسماء الرجال کی تدوین میں ان کے حالات و سوانح سے غفلت نہیں برتی گئی ہے، بلکہ ان کے حالات و سوانح پر مشتمل تالیفات بھی کی گئی ہیں۔

ویسے تو بہت سے تابعین تھے جن کی رائے جرح و تعدیل کے باب میں موثق مانی جاتی ہے، مگر دوسری صدی ہجری کے آخری زمانے میں خاص طور پر اس کی طرف توجہ ہونے

لگی اور متعدد محدثین تنقیدِ رجال کے لئے اٹھے اور علامہ طاہر الجزائری کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے جرح و تعدیل کے فن میں یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) نے ایک کتاب لکھی[1]، لیکن علامہ سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) کے افادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان سے پہلے متعدد ارباب علم و فضل نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تھا، مثلاً شعبۃ بن الحجاج متوفی ۱۶۰ھ، حماد بن سلمہ متوفی ۱۶۱ھ اور عبداللہ بن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرھم[2]۔

ان دونوں باتوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ صاحب توجیہ النظر کی منشا یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے سب سے پہلے اس فن کو تدوینی شکل دے کر باضابطہ ایک مستقل اور مدون کتاب اس فن میں لکھی اور ان سے پیشتر کی تالیفات کی نوعیت باضابطہ تدوین کی نہیں تھی بلکہ وہ قلمی یادداشت کی حیثیت رکھتی تھیں۔

غرض یحییٰ بن سعید القطان کے بعد دوسرے بہت سے محدثین نے تالیفات کیں، مثلاً ابوداؤد طیالسی متوفی ۲۰۴ھ۔ محمد بن سعد (صاحب طبقات) متوفی ۲۳۰ھ۔ یحییٰ بن معین متوفی ۲۳۳ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ وغیرہم۔ پھر جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا تالیفات کا دائرہ پھیلتا گیا اور بے شمار محدثین نے بے شمار کتابیں تالیف کیں، مثلاً امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ، احمد بن عبداللہ العجلی متوفی ۲۶۱ھ، ابوزرعہ متوفی ۲۶۴ھ، ابوحاتم متوفی ۲۷۵ھ، امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، ابن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ، محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ، ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ، ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ اور ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ وغیرہم[3]۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور اور جامع کتب ابن عدی اور ابن ابی حاتم کی ہیں۔ ان کے علاوہ اسماء الرجال اور طبقات سے متعلق چند مشہور کتابیں یہ ہیں:۔

۱۔ طبقات (ابن سعد) ۲۔ تذکرۃ الحفاظ (علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ)
۳۔ میزان الاعتدال (علامہ ذہبی) ۴۔ تہذیب التہذیب (علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ)
۵۔ لسان المیزان (علامہ ابن حجر عسقلانی)

---

[1] توجیہ النظر ص ۱۱۳۔ [2] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۳۳۹ — ۳۴۱
[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ سخاوی کی کتاب "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" ص ۳۴۸-۳۵۷۔